سیدۃ نساء العالمین

فاطمۃ الزہراء

سلام اللہ علیہا ورضی اللہ عنہا

تصنیف

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی

ناشر

جمعیت اشاعت اہلسنّت، پاکستان

نور مسجد، کاغذی بازار، میٹھادر، کراچی

رابطہ: 021-32439799

نام کتاب : سیدۃ نساء العالمین فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا

تصنیف : ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی

سن اشاعت : شعبان المعظم 1435ھ۔جون 2014ء

سلسلۂ اشاعت نمبر : 242

تعداد اشاعت : 3700

ناشر : جمعیت اشاعت اہلسنّت (پاکستان)

نور مسجد کاغذی بازار میٹھادر، کراچی، فون: 32439799

خوشخبری: یہ رسالہ website: www.ishaateislam.net پر موجود ہے۔

سيدة نساء العالمين

فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا و رضی اللہ عنہا

’’میں نے فاطمہ سے افضل کسی کو نہیں دیکھا بجز ان کے والد گرامی کے‘‘۔ (سیدہ عائشہ)

اسم وکنیت والقاب

سیدہ زہرا کا اسم مبارک فاطمہ تھا۔ اس کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا:

إن الله عزّ و جلّ قد فطمها و ذريتها عن النار يوم القيامة (١)

اللہ تعالیٰ روز قیامت فاطمہ اور اُن کی اولاد کو جہنم کی آگ سے الگ رکھے گا۔

فطم / یفطم کا لغوی معنی: چھڑانا، الگ کرنا، بچانا اور علاحدہ کرنا ہے، اس کا ایک مصدر فطام ہے جو دودھ چھڑانے کے معنی میں آتا ہے۔

امام علی بن موسیٰ رضا اپنی ’’مسند‘‘ میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إن الله فطم ابنتي فاطمة و ولدها و مَن أحبّهم من النار فلذلك سُمّيتُ فاطمة (٢)

اللہ تعالیٰ میری بیٹی فاطمہ، اس کی اولاد اور ان کے محبین کو جہنم سے دور رکھے گا، اس لئے اس کا نام فاطمہ پڑا۔

سیدہ فاطمہ کی کُنیت ’’اُمُّ اَبِیھَا‘‘ ہے، یہ ایک بے حد معنی خیز کنیت ہے۔ اس کا لفظی معنی ہے ’’اپنے باپ کی ماں‘‘۔ یہ کنیت نبی کریم ﷺ سے اُن کے اس والہانہ تعلق پر دلالت کرتی ہے، جس کی انسانی تاریخ میں دوسری کوئی مثال نہیں ہے۔ حضرت فاطمہ نہ صرف گھر کے اندر حضور ﷺ کی دلجوئی اور غم گساری کرتی تھیں بلکہ گھر کے باہر بھی آپ کی

حمایت وحفاظت کے لئے کوشاں رہتی تھیں۔ جب اللہ کے رسول ﷺ قریش کے ظلم و تعدّی اور شقاوت و ہٹ دھرمی برداشت کر کے تھکے ہارے گھر تشریف لاتے تھے تو سیدہ فاطمہ اپنی ماں کے ساتھ حضور ﷺ کے لئے راحت رسانی کا سامان کرتیں، ان کے زخموں پر مرہم رکھتیں اور ان کے سر سے گرد وغبار صاف کرتی تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کاشانۂ نبوت میں اس کام کے لئے تنہا رہ گئی تھیں۔۔ آپ اپنے والد رحمۃ للعالمین ﷺ کے ساتھ ہمیشہ شانہ بشانہ رہیں، اور تبلیغ و رسالت کی ابتدا سے انتہا تک رہیں، اوران کے آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بن کر رہیں۔ اور ہمہ وقت ان کی خدمت وغم خواری کرتی رہیں، جس کے نتیجے میں آپ کو یہ بلند مرتبت اور عالیشان کنیت حاصل ہوئی۔

سیدہ فاطمہ کے القاب کا تنوع اوران کی کثرت دراصل ان کے فضائل کے تنوّع اور کثرت سے غماز ہیں، سیدہ زہرا کے بعض القاب ہیں:

۱۔ الزہرا۔ آپ کا یہ سب سے اشہر واز ہر لقب ہے، حتیٰ کہ آپ کے یہ لقب اسم مبارک کا جز ولاینفک (جُدا نہ ہونے والا جزو) بن گیا۔ زہرا کے معنی روشن اور چمکدار کے ہوتے ہیں اور بلاشبہ آپ کا ظاہر و باطن دونوں اس لقب کا مصداق تھے۔ عرب سرخی مائل گورے رنگ والے کو بھی ازہر کہتے ہیں جس کی مؤنث زہراء آتی ہے۔

۲۔ البتول۔ آپ کا یہ لقب بھی بے حد مشہور ومعروف ہے۔ یعنی دنیا سے الگ ہوکر اللہ کی طرف یکسو ہونے والی، تبتل کے معنی ہیں: دنیا سے پوری طرح ترک تعلق کر کے اللہ کی طرف متوجہ ہونا ’’وَ تَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلاً‘‘ (مزمل:۸)۔ اس کی ایک وجہ علماء نے یہ بیان کی ہے کہ سیدہ فاطمہ دینداری اور آخرت میں رغبت کے معاملے میں اپنے عہد کی تمام خواتین سے ممتاز تھیں۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ وہ حسن وشرف ہر دو میں منقطع النظیر تھیں، لہٰذا انہیں یہ لقب ملا۔

۳۔ الحوراء الإنسیہ، یعنی انسانی حور، یہ لقب آپ کو رسول اللہ ﷺ ملا:

ابنتی فاطمة حوراء آدمية لم تحض و لم تطمث (۳)

میری بیٹی فاطمہ انسانی حور ہے نہ کبھی اسے حیض آیا نہ یہ کبھی ناپاک ہوئی۔

۴۔ اُمّ الائمہ۔یعنی اماموں کی ماں

۵۔ الطاہرہ

۶۔ الصدیقہ

۷۔ المبارکہ وغیرہ وغیرہ

نسب وخاندان

سیدہ فاطمہ کا نسب ہے:

''فاطمہ بنت محمد رسول اللہ ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانۃ بن خزیمۃ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان''۔

رسول اللہ ﷺ نے یہیں تک اپنا شجرہ بیان فرمایا ہے، اور یہ متفق علیہ کہ جناب عدنان حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔

والدہ کی طرف سے سیدہ کا شجرہ نسب یہ ہے:

''فاطمہ بنت خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزی۔ مؤخر الذکر عبدمناف کے بھائی اور قصی بن کلاب کے بیٹے تھے یعنی قصی بن کلاب پر پہنچ کر سیدہ زہراء کا پدری اور مادری نسب مل جاتا ہے۔ جناب قصی بن کلاب رسول اللہ ﷺ کے جد رابع اور سیدہ خدیجہ کے جدّ ثالث تھے۔ (۴)

سیدہ فاطمہ کا خاندان عظمت نشان اور عرش مکان ہر ذکر و بیان سے بلند و بالا ہے، یہ وہ خاندان ہے جس کی محراب شرف کے سامنے ہر قلم سجدہ ریز ہے، ہر زبان عجز کا شکار اور ہر نطق بے مائیگی میں گرفتار ہے، اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

إن الله اصطفى كنانة من بني إسماعيل، و اصطفى من بني كنانة

قريشاً، و اصطفى من قريش بن هاشم، و اصطفاني من بني هاشم (۵)

اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے کنانہ کو، کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنو ہاشم کو چنا اور مجھ کو بنو ہاشم سے منتخب کیا۔

اور سیدہ فاطمہ نبی مصطفیٰ ومختار کا انتخاب و اختیار تھیں صلی اللہ علی ابیہا وعلیہا وسلم۔ قبیلۂ قریش کو جزیرہ نما عرب میں ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی اور تمام عربی قبائل قریش کی دینی، سیاسی، اقتصادی اور لسانی برتری کے قائل تھے، پورے جزیرے میں قریش کی سیادت و قیادت غیر متنازع فیہ تھی، اور اس برتری کا نتیجہ تھا کہ قریش کی زبان کو پورے عرب میں ''مشترک زبان'' (Lingua Franca) کی حیثیت حاصل تھی۔ مختلف قبائل کے شعرا، قریش کے لہجے میں شاعری کرتے تھے تا کہ پورے عرب میں ان کی شاعری کو سمجھا جا سکے۔ معلّقات اور جاہلی شاعری کے لہجۂ قریش میں ہونے کی یہی وجہ ہے نہ یہ کہ اس شاعری کو چونکہ اسلام آنے کے بعد وضع کیا گیا ہے لہٰذا وہ سب کی سب قریش کی زبان میں ہے۔ جیسا کہ مارجلیوتھ وغیرہ مستشرقین نے دعویٰ کیا ہے۔ (۶)

سقیفۂ بنوساعدہ میں حضرات انصار رضی اللہ عنہم نے خلافت کا اپنا دعویٰ اسی بنیاد پر واپس لیا تھا کہ قبائل عرب قریش کے علاوہ کسی کی قیادت کو قبول نہ کریں گے۔ اور جس طرح قبائل عرب میں قریش کو امتیاز حاصل تھا اسی طرح خاندانِ بنو ہاشم قریش میں سب سے نمایاں اور ممتاز خاندان تھا۔ اسلام کی آمد سے قبل بھی اور ہمیشہ سے یہ خاندان بے حد معزز اور باوقار خاندان تھا۔

امام احمد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے جبریل علیہ السلام نے کہا کہ:

قَلَّبْتُ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا فَلَمْ أَجِدْ بَنِيْ أَبٍ أَفْضَلَ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ

میں نے زمین کی تمام اطراف وجوانب کو الٹ پلٹ ڈالا لیکن کسی خاندان کو خاندان بنی ہاشم سے افضل نہیں پایا۔

اولادِ عبدالمطلب اور اہلِ بیت کے بارے میں جو فضائل وارد ہوئے ہیں وہ سب بھی اس خاندان رفعت نشان کے فضائل کا حصہ ہیں۔

پیدائش

حضرت فاطمہ زہرا کی تاریخ پیدائش کے سلسلے میں کئی روایتیں ہیں۔ ابن عبدالبر اور امام حاکم کے مطابق آپ کی ولادت یکم سال نبوی میں ہوئی، اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر شریف اکتالیس سال تھی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق بعثت سے تقریباً سات سال قبل آپ کی ولادت ہوئی۔ (۸)

آپ کی ولادت کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ بعثت کے پانچ سال بعد ہوئی اور یہ معقول نہیں ہے کیونکہ اگر اسے تسلیم کیا جائے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ سیدہ کی پیدائش کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر پچپن اور ساٹھ سال کے درمیان تھی۔

مؤرخین اور سوانح نگاروں کی اکثریت کے مطابق آپ کی ولادت بعثت سے پانچ سال پہلے ہوئی، جس وقت قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے، اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر شریف پینتیس سال تھی۔ (۹)

آپ کی ولادت کی یہ تاریخ آپ کی عمر شریف کے سلسلے میں وارد ہونے والی روایتوں سے بھی ہم آہنگ ہے، ان میں سے بیشتر کے مطابق وصال کے وقت آپ کی عمر انتیس سال تھی۔ ''طبقات ابن سعد'' میں یہی تاریخ مذکور ہے۔

رسول اللہ ﷺ اور سیدہ خدیجہ کی صاحبزادی فاطمہ کی پیدائش کے وقت قریش خانۂ کعبہ تعمیر کر رہے تھے اور یہ بعثت سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے۔ (۱۰)

مکی زندگی

بعثت نبوی کے وقت سیدہ فاطمہ کی عمر پانچ سال تھی۔ یہ عمر شعور کی عمر تو نہیں ہوتی ہے لیکن اس عمر میں بچہ اپنے چاروں طرف ہونے والے واقعات اور حوادث سے متأثر ہوتا

ہے بلکہ کسی بچے کی طفولت میں پیش آمدہ وقائع واحداث اس کی فکری تعمیر وتشکیل میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس وقت سیدہ کے گھر میں انسانی تاریخ کا سب سے بڑا واقعہ رونما ہو رہا تھا، اور کائنات کے سب سے بڑے انقلاب کی داغ بیل ڈالی جا رہی تھی۔

پانچ سالہ سیدہ فاطمہ گھر میں ہونے والی فکری، عملی اور سلوکی تبدیلیوں کو ملاحظہ کر رہی تھیں۔ وہ اپنے والدین کو سب سے الگ انداز میں عبادت کرتے دیکھ رہی تھیں، وضو کرتے اور نماز پڑھتے دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ ایک دن اپنے گھر میں رہنے والے کم عمر بچے علی (کرم اللہ وجہہ) کو بھی اس نئی عبادت میں شریک دیکھتی ہیں۔ سیدہ کو گھر میں ہونے والی ان تبدیلیوں کو جاننے اور سمجھنے کی خواہش بھی رہی ہوگی، اور جلد ہی ان کی اس خواہش کی تکمیل بھی ہوگئی، ان کی برگزیدہ ماں نے انہیں اور ان کی تینوں بہنوں کو جمع کر کے اللہ کی وحدانیت کے بارے میں بتایا۔ شرک کی برائیوں اور قباحتوں کی خبر دی اور انہیں اس بات کی اطلاع دی کہ اللہ واحد نے ان کے بابا جان کو نبوت و رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ انہیں وضو اور نماز کا طریقہ سکھایا۔ حضرت فاطمہ اپنی تمام بہنوں کے ساتھ توحید و رسالت کی شہادت دے کر ایمان لائیں اور اس طرح سیدہ کا گھر مکے میں اکیلا ایسا گھر تھا جسے توحید کا گھر کہا جا سکتا ہے، دارالایمان قرار دیا جا سکتا ہے، اس گھر کا ہر فرد موحد تھا اور اس منبع توحید اور معدن ایمان ویقین گھر میں سیدہ کی پرورش ہوئی۔ سب سے چھوٹی ہونے کے سبب اپنے والد کریم کو سب سے زیادہ عزیز بھی تھیں۔ آپ کی شکل وصورت اور عادات واطوار بھی نبی کریم ﷺ سے بے حد مشابہ تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ما رأيتُ أشبه سمتاً و لا دلًّا و لاهدياً برسول الله ﷺ في قيامها و قعودها من فاطمة بنت رسول الله (۱۱)

میں نے اٹھنے بیٹھنے کے طریقے اور انداز میں فاطمہ سے زیادہ کسی کو رسول اللہ ﷺ کے مشابہ نہیں دیکھا۔

نبی کریم ﷺ اپنی تمام صاحبزادیوں سے محبت فرماتے تھے لیکن سیدہ سے آپ کو

خصوصی تعلق خاطر تھا، کیوں کہ آپ ہر دو ظاہر و باطن میں اپنی تمام بہنوں سے ممتاز تھیں بلکہ اپنی صورت اور سیرت دونوں میں اپنے عظیم المرتبت اور جلیل القدر والد کا مکمل پَرتو اور کامل نمونہ تھیں۔

سیدہ آٹھ سال کی تھیں جب رسول اللہ ﷺ کو علی الاعلان توحید کی دعوت دینے کا حکم ملا۔ حق کے اعلان کے ساتھ ہی ظلم وستم اور وحشت و بربریت کا طوفان بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ طوفان صرف توحید کی مخالفت اور آباءواجداد کے مذہب کی حمایت ہی میں نہیں تھا بلکہ قبیلہ جاتی منافرت اور خاندانی عصبیت بھی اس کا ایک بڑا عامل تھی۔ اوران سب سے بڑھ کر قریش کے لئے ان کا دین ان کے معاش سے جڑا ہوا تھا۔ پورا عرب حج وزیارت کے لئے مکہ آتا تھا، منی و عکاظ میں بڑے بڑے بازار لگتے تھے، بتوں پر چڑھاوے آتے تھے جس سے ان کی زندگیاں عیش وآرام سے گزرتی تھیں، یہ مخالفت کے بڑے محرکات میں سے ایک تھا۔

عم رسول ﷺ عباس بن عبد المطلب اور ابوسفیان بن حرب گہرے دوست تھے، جب عباس بن عبد المطلب کے اصرار وسفارش پر انہوں نے کلمہ پڑھ لیا تو عباس نے ان سے سوال کیا کہ: اے ابوسفیان! آپ تو بہت سمجھدار اور زیرک انسان تھے، آخر آپ بت پرستی کی برائیوں پر مطلع کیوں نہیں ہو سکے، آخر آپ جیسے ذہین وفطین شخص سے یہ حقیقت کیسے اوجھل رہی کہ پتھر کی یہ مورتیاں نہ نفع پہنچا سکتی ہیں نہ نقصان۔ تو ابوسفیان نے عباس بن عبد المطلب سے کہا تھا:

أما تعلم يا عباس كانت تلك الآلهة عبادتنا و تجارتنا

اے عباس معلوم نہیں کہ پتھر کہ وہ بت ہماری عبادت ہی نہیں تھے تجارت بھی تھے۔

مختصر یہ کہ حق کی مخالفت کے پیچھے سیادت، عبادت اور تجارت تینوں عوامل کارفرما تھے۔ اہل مکہ عموماً اور قریش خصوصاً نبی کریم ﷺ کی مخالفت میں صف بستہ ہو گئے اور طرح طرح کی ایذا رسانی کی کوشش کرنے لگے۔ سیدہ فاطمہ اس عمر میں رسول اللہ ﷺ کی

پریشانیوں اور دکھوں کو محسوس کرتی تھیں اور اپنی استطاعت بھر آپ ﷺ کی نصرت واعانت کی کوشش فرماتی تھیں۔ لوگ رسول اللہ ﷺ کے راستے میں اور آپ کے گھر کے سامنے کانٹے اور گندگیاں پھینک جاتے تھے، ننھی سیدہ ان کی صفائی کا کام کرتی تھیں اور گھر کے دوسرے کاموں میں اپنی والدہ کی مدد کرتی تھیں۔ جب پیغمبر خدا دعوت وتبلیغ کی مہمات سے شکستہ دل اور آزردہ خاطر گھر واپس آتے تو آپ ان کی دلجوئی فرماتیں اور اپنے وجود اور اپنی محبتوں سے ان کے غموں کو ہلکا کرتی تھیں۔ بسا اوقات کفار قریش آپ کے سر پر گرد و غبار ڈال دیتے اور آپ کے راستوں میں کانٹے بچھا دیتے جس سے آپ کے قدم مبارک زخمی ہو جاتے تھے۔ گھر پہنچنے پر جناب سیدہ آپ کے بالوں کو صاف کرتیں، ان کے زخموں کو دھوتیں اور ان پر مرہم لگاتی تھیں۔

عفت وحیا آپ کا سب سے نمایاں وصف تھا لیکن ہمت وشجاعت کا ورثہ بھی آپ کو ملا تھا، ظاہر ہے کہ آپ اوصاف نبویہ کا پَرتو تھیں تو شجاعت آپ کا وصف بن کر سرخ رو کیوں نہ ہوتی۔ آپ کی شجاعت کا ایک مظاہرہ اس وقت ہوا جب آپ نے اپنی کم سنی کے باوجود حرم میں آکر نبی کریم ﷺ کی مدد فرمائی اور ببانگ دہل کفار قریش کی مذمت کی۔ یہ اسلامی تاریخ کے مشہور واقعات میں سے ایک ہے۔

ہوا یوں کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ کعبہ کے قریب نماز پڑھ رہے تھے، کافران قریش کی متعدد ٹولیاں بھی ادھر ادھر بیٹھی ہوئی تھیں۔ سب ایک دوسرے کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف ابھارنے کی کوشش کر رہے تھے چنانچہ جب ایک بار آپ سجدے میں تشریف لے گئے تو عقبہ بن ابی معیط نے آپ کی پشت مبارک پر اوجھڑی وغیرہ گندگی کا ڈھیر لا کر ڈال دیا جس کے وزن سے آپ حالت سجدہ میں ہی باقی رہ گئے، یہ منظر دیکھ کر قریش کے اوباشوں نے خوب قہقہے لگائے، کسی نے یہ خبر سیدہ فاطمہ کو دی تو وہ دوڑتی ہوئی آئیں اور ان آوارہِ گردان قریش کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے پہلے نبی کریم ﷺ کی پشت مبارک سے غلاظت کو ہٹایا اور پھر ان ظالموں کی طرف رخ کر کے انہیں خوب سخت وسست کہا۔ (۱۲)

سیدہ فاطمہ گیارہ یا بارہ سال کی تھیں، جب کفارقریش نے اجتماعی طور پر یہ فیصلہ کیا کہ پیغمبر اسلام ﷺ اوران کے متبعین ومعاونین کا مقاطعہ اور بائیکاٹ کیا جائے۔ یہ فیصلہ اسلام کے بڑھتے ہوئے اثرات کے خلاف قریش کے غصے، ان کی مایوسی اور جھنجھلاہٹ کا نتیجہ تھا۔ یہ ظالمانہ بائیکاٹ تین سال تک چلا، اس عرصے میں سیدہ فاطمہ اپنے والدین اور افراد خاندان کے ساتھ شعب ابی طالب نام کی ایک گھاٹی میں محصور رہیں۔ بائیکاٹ اتنا شدید تھا کہ بنو ہاشم بعض اوقات دانے دانے کومحتاج ہو جاتے تھے، اہل مکہ نہ بنو ہاشم کے ساتھ خرید وفروخت کرتے تھے اور نہ باہری لوگوں کوان کے ہاتھ کچھ بیچنے دیتے تھے۔ تین سال کا یہ عرصہ سیدہ فاطمہ اوران کے خاندان پر بے حد شاق گزرا اور اکثر بھوک و پیاس کے ساتھ گزرا۔ بعض روایات کے مطابق محصورین کوکبھی کبھی پیڑ کے پتوں، چھالوں اور چمڑوں پر گزارا کرنا پڑا۔

اس حصار میں بنو ہاشم کے سبھی لوگ تھے سوائے ابولہب کے اوراس کے گھر والوں کے، اس میں بنو ہاشم کے سربراہ ابو طالب تھے جن کی عمر اس وقت اَسّی سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ سیدہ خدیجہ تھیں جو اپنی عمر کی چھٹی دہائی سے گزر رہی تھیں، اس میں فاطمہ تھیں جو ہنوز کھیلنے والی عمر میں تھیں لیکن یہ کھیل کے لئے نہیں پیدا ہوئی تھیں بلکہ ان کی تخلیق صبر و استقامت اور تسلیم ورضا کا نمونہ بننے کے لئے ہوئی تھی۔ سیدہ نے یہ تین سال بے حد تکلیفوں میں گزارے، ان کا پورا گھرانا بھی صبر ورضا کے اس امتحان میں موجود تھا سوائے زینب کے جو اپنے شوہر کے ساتھ مکہ میں ہی تھیں اور رقیہ کے جو حبشہ میں تھیں۔ رضی اللہ عنہم

اس محاصرے میں صرف بھوک و پیاس ہی مسئلہ نہیں تھا بلکہ جان کا بھی خوف رہتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے شفیق ومونس چچا جناب ابو طالب کبھی رسول اللہ ﷺ کو اپنے بستر پر سلاتے اور کبھی ان کے بستر پر اپنے بیٹوں، بھائیوں اور بھتیجوں کوسونے کا حکم دیتے۔ اسی حصار میں سیدہ فاطمہ نے اپنی دوشیزگی کے ایام گزارے، جہاں ان کا جسم تو ضرور کمزور ونحیف ہوالیکن ان کا ایمان پہلے سے کہیں زیادہ مضبوط ومستحکم ہوا۔

اس ظالمانہ بائیکاٹ کا سلسلہ ایک معجزے کے ظہور کے ساتھ ختم ہوا لیکن حصار کے خاتمے کے فوراً بعد جناب ابوطالب اور سیدہ خدیجہ دونوں کا انتقال ہوگیا۔ یہ رسولِ خُدا اور اُن کے اہلِ خانہ کے لئے سب سے جانگسل اور المناک حادثہ تھا، دونوں کا انتقال صرف پینتیس دن کے وقفے میں پیش آیا، نبی کریم ﷺ پر ان وفیات کا ایسا اثر ہوا کہ بقول روایانِ حدیث:

لزم بيته...... و أقل من الخروج (۱۳)

رسول اللہ ﷺ نے گھر کولازم پکڑ لیا اور باہر تشریف لے جانا کم کر دیا۔

اس کا ایک سبب تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی غیر معمولی محبت تھی اور اسی گھر کے درودیوار سے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یادیں وابستہ تھیں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ما غِرتُ على امرأة النبي ﷺ ما غِرتُ على خديجةَ، هلكتُ قبل أن يزوّجني، لما كنتُ اسمعه يذكرها، و أمره الله أن يبشرها ببيتٍ من القصب و إن كان ليذبح الشاة فيهدى في خلائلها منها ما يسعهن (۱۴)

میں نے رسول اللہ ﷺ کی کسی اہلیہ سے ایسا رشک محسوس نہیں کیا جیسا رشک مجھے خدیجہ سے ملا تھا، حالانکہ ان کا انتقال میری شادی سے پہلے ہو گیا تھا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ ان کا کثرت سے ذکر کرتے تھے اور اللہ نے انہیں حکم دیا کہ وہ خدیجہ کو بشارت دے دیں کہ ان کے لئے جنت میں خولدار موتیوں کا گھر ہے اور آپ جب بھی بکری ذبح کرتے تو خدیجہ کی سہیلیوں کو ان میں سے اتنا گوشت دیتے جو ان کے لئے کافی ہوتا۔

دوسرا سبب اپنے بچوں بالخصوص سیدہ فاطمہ کی دلجوئی تھا، رسول اللہ ﷺ سیدہ کے ساتھ ان کی والدہ کا ذکر کرتے بلکہ مذاکرہ کرتے، دونوں حضرات حضرت خدیجہ کی یادوں

کا تبادلہ کرتے۔ اللہ کے رسول ﷺ سابقۃ الاسلام علی الاطلاق خدیجہ کُبریٰ کی خدمات کا ذکر کرتے، ان کے صبر و استقامت کے واقعات سناتے، ان کے جہاد اور قربانی کے قصے بیان کرتے اور ان کے مقام و مرتبے کی خوشخبریاں دے کر سیدہ فاطمہ کو دلاسہ دیتے، انہیں بتاتے کہ:

اللہ تعالیٰ ان کی ماں کو جنت میں موتیوں کا ایسا شاندار محل دے گا جس میں
نہ کوئی شور و شغب ہوگا نہ تکلیف و تکان۔ (۱۵)

شفیق ماں کی جدائی سیدہ فاطمہ کے لئے ایک بے حد اندوہ ناک واقعہ تھا، لیکن سیدہ دیکھ رہی تھیں کہ ان کے غم سے بڑا غم انسانیت کے غمخوار ﷺ کا ہے جنہوں نے گھر کے باہر جناب ابو طالب کی شکل میں ایک معین و مددگار اور گھر کے اندر سیدہ خدیجہ کی صورت میں ایک شجر سایہ دار کھو دیا ہے، لہٰذا سیدہ اپنا غم بھول کر رسول اللہ ﷺ کی دلجوئی اور تسکین خاطر میں لگ گئیں، وہ رسول اللہ ﷺ کی غمگساری کرتیں، ان کے آرام و راحت کا خیال رکھتیں اور ان کی تکلیفوں کا مداوا کرتیں۔ آپ کے اس عظیم کردار کے سبب آپ کو "أم أبيهـا" کی کنیت حاصل ہوئی۔ (۱۶)

حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد سیدہ فاطمہ کی حیات مبارکہ کے تین سال رسول اللہ ﷺ کی قربت و معیت میں گزرے۔ مظہر صفات ربانی ﷺ کے فیض صحبت و تربیت سے سیدہ زہرا صفات نبوی کا پیکر بن گئیں۔ ان کے علو درجات میں اضافہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ آپ سیدہ نساء العالمین کے درجے پر فائز ہو گئیں۔ صلی اللہ علی ابیہا وعلیہا وسلم

ہجرت

رفتہ رفتہ مکے کی سرزمین اسلام اور مسلمانوں پر تنگ ہوتی گئی، کفارِ قریش کی شقاوتوں میں کوئی کمی نہیں آئی، نہ ان کے دلوں میں کچھ نرمی پیدا ہوئی، آخرش اللہ تعالیٰ نے مدینہ کی شکل میں مسلمانوں کو ایک پناہ گاہ عطا فرما دی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ مسلمان خفیہ طور پر اور انفرادی و اجتماعی دونوں

شکل میں مدینہ ہجرت کرنے لگے۔ قریش مسلمانوں کو ایک پُرامن جگہ ملنے پر سخت برافروختہ ہوئے۔ نتیجے میں مکہ میں باقی رہ جانے والے مسلمانوں پر ظلم و ستم اور تیز ہو گیا، ان میں رسول اللہ ﷺ کے گھر والے بھی تھے۔

خود اللہ کے رسول ﷺ اپنی ہجرت کے لئے حکمِ الٰہی کا انتظار کر رہے تھے اور بعثت کے تیرہویں سال وہ ساعت منتظرہ آ ہی گئی۔ ایک طرف کفار قریش مکے کے دار الندوہ میں بیٹھ کر مکر و سازش کر رہے تھے، دوسری طرف اللہ کی خفیہ تدبیریں اپنا کام کر رہی تھیں۔ ایک طرف رحمت عالم کو معاذ اللہ قتل کرنے کا پروگرام بن رہا تھا، دوسری طرف ہجرت کا حکم آ رہا تھا۔ ایک طرف شب میں کاشانہ نبوت پر حملہ کرنے کی تیاری ہو رہی تھی، دوسری طرف رسول اللہ ﷺ ہجرت کے لئے رخت سفر باندھ رہے تھے۔ یہ ایک غیر معمولی رات تھی، یہ رات صرف اسلام کی تاریخ میں نہیں بلکہ پوری انسانیت کی تاریخ میں ایک خط فاصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اللہ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ سیدہ فاطمہ بھی اس رات کی ایک گواہ تھیں، بلکہ اس کا ایک کردار بھی تھیں۔ سیدہ حضور کو ہجرت کی تیاری کرتے ہوئے دیکھ رہی تھیں، اور ان کا تعاون کر رہی تھیں، ننگی تلواروں کے ساتھ کفار کو کاشانۂ نبوت کا حصار کرتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بستر نبوت پر لیٹے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ امید و بیم کی عجب کیفیت تھی۔

سیدہ نے یہ پُر خطر رات گزاری۔ اگلے دن رسول اللہ ﷺ کے پاس لوگوں کی امانتوں کو واپس کرنے میں حضرت علی کی مدد کی۔ تین دن کے بعد حضرت علی نے بھی ہجرت فرمائی، کاشانۂ نبوت میں سیدہ کے علاوہ حضرت ام کلثوم اور ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ تھیں۔ جب تک رسول اللہ ﷺ کے مدینہ پہنچ جانے کی اطلاع نہیں آئی حضرت فاطمہ کے شب و روز بے حد بے قراری میں گزرے۔

سیدہ فاطمہ اپنے محبوب والد سے ملاقات کی بشارت لانے والے قاصد کا بے صبری سے انتظار کر رہی تھیں۔ آخر کار ہجر کے دن ختم ہوئے اور ہجرت کا دن آیا، رسول اللہ ﷺ

نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابو رافع کو مکہ روانہ کیا تا کہ وہ دونوں سیدہ فاطمہ اور دوسری خواتین کو لے آئیں۔ یہ نورانی قافلہ اُمّ القریٰ سے مدینۃ الرسول کے لئے نکلا، لیکن یہ سفر بھی سلامتی کے ساتھ طے نہیں ہوا۔ سیدہ کے عروج وعظمت کا سفر جاری تھا، لہٰذا ضروری تھا کہ آلام ومصائب کا سفر بھی جاری رہے۔ ایذا رسانی کی نیت سے چند لعینوں نے اس قافلے کا تعاقب کیا اور جویرث بن نقیذ بن وہب نامی ازلی بدبخت نے اس اونٹنی کو برانگیختہ کردیا جس پر سیدہ فاطمہ اور حضرت ام کلثوم سوار تھیں چنانچہ یہ دونوں زمین پر گر گئیں اور زخمی ہوگئیں۔ حویرث مکے میں بھی رسول اللہ ﷺ کی ایذا رسانی میں آگے آگے رہتا تھا۔ آخرت کے عذاب ورسوائی کے ساتھ ساتھ اسے دنیا میں بھی اس بدعملی کی سزا ملی اور یہ بھی ان چند لوگوں میں سے تھا جن کے لئے رسول رحمت نے فتح مکہ کے دن سزائے موت تجویز کی تھی، خواہ یہ لوگ غلاف کعبہ سے لپٹے ہوئے کیوں نہ پائے جائیں۔ چنانچہ حویرث سیدہ فاطمہ کے شوہر نامدار حیدر کرار کے ہاتھوں واصل فی النار ہوا۔ (۱۷)

مدنی زندگی

ہجرت کے بعد سیدہ زہرا مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے لگیں۔ رسول اللہ ﷺ سے خصوصی تعلق کے سبب امہات المؤمنین بھی ان کا بے حد خیال رکھتی تھیں۔ سیدہ زہراء کے اخلاق وکردار، عبادت وریاضت اور رسول اللہ ﷺ سے ان کی مشابہت نے انہیں اہل بیت اور مہاجرین وانصار میں بے حد معزز اور محترم بنا دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ جیسا استثنائی معاملہ کرتے تھے کسی کے ساتھ نہیں کرتے تھے۔ وہ کسی کی طرح نہیں تھیں کوئی ان کی طرح نہیں تھا، لہٰذا ان کے ساتھ رسول کا سلوک بھی مختلف تھا۔ وہ عام لوگوں کی طرح نہیں تھیں وہ حوراء انسیہ تھیں، انسانی حور تھیں دوسروں سے مختلف کیوں نہ ہوتیں، وہ سیدہ نساء العالمین تھیں دوسری عورتوں سے الگ کیوں نہ ہوتیں، وہ کائنات کی صرف چار کامل عورتوں میں سے ایک تھیں دوسروں سے ممتاز ومنفرد کیوں نہ ہوتیں۔

رسول اللہ ﷺ جیسی محبت سیدہ سے فرماتے تھے کسی سے نہیں فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ اُمّ المؤمنین فرماتی ہیں کہ سیدہ فاطمہ رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ (۱۸)

زواج

حضرت فاطمہ کی شادی کے وقت عمر کو لے کر کئی راویتیں ہیں، مشہور روایت کے مطابق شادی کے وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق آپ کی عمر پندرہ سال پانچ ماہ تھی۔ (۱۹)

بعض تاریخی روایات میں شادی کے وقت آپ کی عمر اس سے بھی کم تھی۔ اگر مشہور روایت کے مطابق دیکھا جائے تو اٹھارہ سال کی عمر اس عہد کے رسوم وعادات سے ہم آہنگ نہیں ہے، اور اس عہد میں شادی کی مالوف عمر سے کافی زیادہ ہے۔ بعض مستشرقین نے اس کو لے کر بے حد افسانہ طرازی سے کام لیا ہے اور بے حد ناقابل قبول دعوے کئے ہیں، جب کہ حقیقت صرف اس قدر ہے کہ جب سیدہ بڑی ہوئیں تو اسلامی تبلیغی دعوت کا سفر ایک بے حد خطرناک موڑ سے گزر رہا تھا، قریش کی مخالفت اوج شباب پر تھی، شعب ابی طالب میں تین سال کا عرصہ صرف جہد البقاء کے نذر ہوگیا۔ حصار کے بعد بھی مصائب کا سلسلہ دراز رہا۔ جناب ابو طالب اور سیدہ خدیجہ کی مفارقت کے واقعات پیش آئے۔ اس عرصے میں کفار کی ریشہ دوانیاں بھی بڑھ گئی تھیں۔ مکے سے مسلمان یا تو ہجرت کر گئے تھے یا سلامتی وبقاء کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ مکے میں بچنے والے مسلمان اتنے غریب ونادار تھے کہ شادی کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ غیر مسلموں سے مصاہرت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ پھر ہجرت کی مصروفیت اور پس ہجرت مدینہ میں استقرار کی مشغولیت کا طویل سلسلہ رہا۔ یہ تھا وہ پس منظر جو بظاہر سیدہ کی شادی میں تاخیر کا سبب بنا۔ مستشرقین کی اس ضمن میں پیش کردہ توجیہات قواعد استدلال اور اصول بحث وتحقیق کی صریح خلاف ورزی ہیں۔ (۲۰)

ایک توجیہ یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ چونکہ مشیت نے تاجدار ہل اَتیٰ علی مرتضیٰ کو حضرت فاطمہ کے لئے منتخب کیا تھا جو حضرت فاطمہ سے صرف پانچ سال بڑے تھے، لہٰذا ان دونوں

میں سے کسی ایک کی عمر اس معاشرے میں شادی کی مالوف و مروج عمر سے مختلف ہونی ہی تھی۔

متعدد روایتوں میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے سیدہ فاطمہ کے ساتھ اپنا رشتہ دیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ حکمِ الٰہی کا انتظار کر رہا ہوں، پھر حضرت عمر نے رشتہ دیا تو اللہ کے رسول نے انہیں بھی یہی جواب دیا، پھر لوگوں نے حضرت علی سے رشتہ دینے کو کہا تو آپ نے ان کے رشتے کو قبول فرما لیا، آپ نے حضرت فاطمہ سے بھی اس رشتے کے بارے میں استصواب کیا۔ دولابی کے بقول سیدہ خاموش رہیں تو رسول اللہ ﷺ نے نکاح حضرت علی کے ساتھ ان کا نکاح فرمایا۔ (۲۱)

بعض روایات کے مطابق حضرت علی کے ساتھ سیدہ فاطمہ کی شادی حکمِ الٰہی کے مطابق ہوئی تھی۔ ''ذخائر العقبیٰ'' میں ان روایتوں کے لئے باضابطہ دو عنوان لگائے گئے ہیں۔

۱۔ ذكر أن تزويج فاطمة علياً كان بأمر الله (اس بات کا ذکر کہ حضرت علی کے ساتھ فاطمہ زہرا کی شادی اللہ کے حکم سے تھی)

۲۔ ذكر تزويج الله فاطمة علياً في الملا الأعلى بمحضر من الملائكة (اس چیز کا ذکر کہ اللہ نے مَلاءِ اعلیٰ میں اور فرشتوں کی موجودگی و حاضری میں حضرت علی کے ساتھ فاطمہ زہرا کی شادی کی)۔ (۲۲)

امام نسائی کی ایک روایت کے مطابق اللہ کے رسول پہلے ہی حضرت علی سے وعدہ فرما چکے تھے کہ وہ حضرت فاطمہ کی شادی اُن سے کریں گے، چنانچہ جب حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے رشتہ دیا تو آپ نے انہیں منع فرما دیا اور حضرت علی سے فرمایا:

هي لك يا عليُّ و لستُ بدجّال (۲۳)

اے علی! یہ تمہارے لئے ہیں اور میں جھوٹا نہیں ہوں۔

شادی کی توقیت کے بارے میں مختلف اقوال ہیں: ان میں سے چند کو امام سیوطی نے نقل کیا ہے۔ ابن مندہ کی روایت کے مطابق یہ شادی ہجرت کے ایک سال بعد ہوئی اور اس کے ایک سال بعد جناب سیدہ کی رخصتی ہوئی۔ ابن سعد کے مطابق حضور ﷺ کے مدینہ

تشریف لانے کے پانچ ماہ بعد رجب میں شادی ہوئی اور غزوۂ بدر کے بعد رخصتی ہوئی۔ امام سیوطی کے نقل کردہ ایک اور قول کے مطابق غزوۂ اُحد کے بعد آپ کا نکاح ہوا۔ (۲۴)

حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب اشرافِ قریش نے حضرت فاطمہ سے رشتے بھیجے تو مجھ سے میری خادمہ نے کہا: آپ کیوں رشتہ نہیں دیتے۔ میں نے اُس سے کہا: میرے پاس کیا ہے کہ میں رشتہ دوں، اُس نے کہا: آپ اللہ کے رسول کے پاس جائیے تو وہ آپ ہی سے فاطمہ کی شادی کریں گے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ وہ خادمہ لگاتار اُمید دلاتی رہی حتی کہ میں ایک دن اِس غرض سے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا اور جا کر بیٹھ گیا، حضور کی بارگاہ میں ہیبت و جلال کے سبب میں عرض مدعا نہیں کر سکا، حضور نے خود مجھ سے فرمایا: فاطمہ کے لئے اپنا رشتہ لائے ہو؟ میں نے عرض کیا: ہاں، حضور نے پوچھا: مہر کے لئے کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: کچھ نہیں ہے، تو حضور نے فرمایا: تمہاری وہ ڈھال کہاں ہے جو میں نے تمہیں دی تھی؟ میں نے عرض کیا: میرے پاس ہے، رسول اللہ ﷺ نے اُسی ڈھال (کی قیمت) کو مہر مقرر کر کے حضرت علی سے سیدہ کی شادی کر دی۔ (۲۵)

رسول اللہ ﷺ نے سیدہ کو بلایا اور فرمایا:

قد انكحتك أحبّ أهل بيتي إليّ (۲۶)

میں نے تمہارا نکاح اُس سے کیا ہے جو مجھے اپنے خاندان میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔

جب اپنے نکاح کو سن کر حضرت فاطمہ رونے لگیں تو رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا:

مالكِ تبكين يا فاطمةُ، فو اللهِ لقد أنكحتُكِ أكثرهم علماً أفضلَهم حلماً و أوّلهم سلماً (۲۷)

کیا بات ہے کیوں رو رہی ہو فاطمہ، بخدا میں نے تمہاری شادی اس کی ہے جو سب سے زیادہ علم والا ہے، بردباری میں سب سے افضل ہے اور سب پہلے اسلام لانے والا ہے۔

آپ نے حضرت فاطمہ سے فرمایا کہ تھوڑا پانی لاؤ، حضرت فاطمہ ایک برتن میں پانی لے کر حاضر ہوئیں، آپ نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا، سیدہ فاطمہ کے سر اور بدن پر اس پانی سے چھینٹے مارے اور فرمایا:

اللھم أعیذُھا بك و ذُرِّيَّتَها مِن الشَّيطان الرَّجِيم

اے اللہ! میں اس کو اور اس کے بچوں کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔

پھر آپ نے سیدہ کی پُشت پر بھی اپنے لعاب آمیز پانی کے چھینٹے دیئے اور مذکورہ بالا دعا پڑھی، بعد ازیں حضرت علی کے ساتھ بھی یہی عمل کیا۔(۲۸)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ چ نے مجھے بلوایا اور حکم دیا کہ جاؤ ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور کچھ انصار کو بلا لاؤ، رضی اللہ عنہم۔ جب سب لوگ آ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ کا نکاح علی بن ابی طالب سے کر دوں تو تم لوگ گواہ ہو جاؤ کہ میں نے چار سو مثقال چاندی کی مہر کے بدلے فاطمہ کو علی کے نکاح میں دیا بشرطیکہ علی اس کے لئے راضی ہوں...... اسی دوران حضرت علی محفل میں داخل ہوئے جو پہلے سے وہاں موجود نہیں تھے، اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں دیکھ کر تبسم فرمایا اور وہی بات دہرائی جو صحابہ کرام سے کہہ چکے تھے تو حضرت علی نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول میں راضی ہوں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جمع الله شملكما و أسعد جدّكما و بارك عليكما و أخرج منكما كثيراً طيباً (۲۹)

اللہ تعالیٰ کے رسول نے اپنی چہیتی بیٹی کی شادی ایسے شخص سے کی جو اللہ و رسول سے محبت کرنے والا تھا اور جس سے اللہ و رسول بھی محبت فرماتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے دونوں کی شادی کا ولیمہ بھی بڑے دھوم دھام سے کیا، تمام مہاجرین و انصار کو اس میں مدعو کیا گیا۔ حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ اس زمانے میں علی اور فاطمہ کے ولیمے سے اچھا کوئی ولیمہ

نہیں ہوا۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کی شادی میں حاضر ہوا تھا، میں نے کبھی اس سے بہتر شادی نہیں دیکھی، گھر کو خوشبوؤں سے آراستہ کیا گیا تھا اور کھجور و منقیٰ سے ہماری ضیافت ہوئی تھی۔(۳۰)

امام ابن ماجہ حضرت عائشہ اور حضرت اُمّ سلمیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ ان دونوں نے فرمایا: ہم نے فاطمہ کی شادی سے اچھی شادی نہیں دیکھی۔(۳۱)

سیدہ فاطمہ کی شادی کے وقت رسول اللہ ﷺ نے ان کو نئی زندگی شروع کرنے کے لئے کچھ گھریلو چیزیں دی تھیں جن میں پانی کی چھاگل، آٹا پیسنے کی چکی، ایک تکیہ، دو مشکیں تو شک وغیرہ تھیں۔(۳۲)

لیکن اسے روایتی جہیز نہیں سمجھنا چاہئے، عربی میں جہیز یا جہاز تیاری کے سامان کو کہتے ہیں حتی کہ مردے کی آخری تیاری کو تجہیز کے جواز کی گنجائش نکالنے کی کوشش نہیں ہونا چاہئے، نہ جہیز کی سنیت کی بات کرنا درست ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سیدہ فاطمہ کے تمام سوانح نگاروں نے ان کی شادی کو خصوصی طور پر ذکر کیا ہے۔ ہم ان کی حیات کے کسی گوشے کو اتنی تفصیل سے نہیں جانتے، جتنی تفصیل سے اُن کی شادی کو جانتے ہیں۔ کُتُبِ احادیث وسیرت میں غالباً انہیں کی شادی کو ہی مستقل عنوان کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔ امام سیوطی کا رسالہ "الثغور الباسمه فی مناقب فاطمه" پانچ اوراق کا رسالہ ہے جس میں تقریباً آدھے میں حصرت فاطمہ کی شادی کا ذکر ہے۔ دراصل اس توجہ اور اہتمام کی کئی وجہیں ہیں:

۱۔ یہ شادی بحکم خداوندی ہوئی تھی۔

۲۔ حبیبِ خُدا کے دو محبوبوں کی شادی تھی اور کئی اشراف قریش کے رشتوں کو چھوڑ کر ہوئی تھی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے اس جوڑے کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی نسل کو آگے بڑھا۔

حدیث شریف ہے:

إن الله جعل ذرّيّة كلّ نبيٍّ في صلبه و جعل ذُرِّيّتي في صلب عليّ ابن أبي طالب (۳۳)

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی اولاد کو اس کے صُلب میں بنایا لیکن میری اولاد کو علی کی صُلب میں بنایا۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کے نسب کو اپنا نسب قرار دیا، امام طبرانی فرماتے ہیں:

الناس من شجر شتّى، و أنا و عليٌّ من شجرةٍ واحدةٍ (۳۴)

لوگوں کے مختلف نسب ہیں، لیکن میں اور علی ایک نسب سے ہیں۔

۴۔ یہ شادی ''**انا اعطیناک الکوثر**'' کا تفسیر و مظہر تھی کیونکہ کوثر کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ اس سے مراد حضرت فاطمہ کے اولاد ہے، جنہیں رسول اللہ ﷺ نے اپنی اولاد کہا ہے۔

یہ تھے وہ چند اسباب جن کی وجہ سے اس شادی کو اس قدر اہمیت اور ایسا غیر معمولی اہتمام حاصل ہوا۔

کاشانۂ نبوت سے کاشانۂ ولایت میں

شادی کے بعد سیدہ فاطمہ حضرت علی کے گھر میں منتقل ہوگئیں، بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ دونوں ایک گھر میں منتقل ہو گئے، یہ گھر بھی رسول اللہ کے گھر سے ملا ہوا تھا۔ درمیان میں کھڑکیاں بھی تھیں۔ حضرت فاطمہ کی زندگی بھی حسب سابق تنگ دستی اور بے سروسامانی والی تھی، چکی چلاتے چلاتے ہاتھ پھٹ گئے تھے اور مشکیزہ اُٹھاتے اُٹھاتے کاندھوں پر نشان پڑ گئے تھے۔ یہ سیدۃ نساء العالمین تھیں جن کی رضا اللہ کی رضا اور جن کی ناراضگی اللہ کی ناراضگی ہے، جو سردارِ انبیاء کی بیٹی، سردار عرب کی بیوی اور جنتی نوجوانوں کے سردار کی ماں تھیں۔

حضرت علی اور رسول اللہ ﷺ کے گھروں کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے اور بھی بہت سے دروازے مسجد میں کھلتے تھے، ایک دن اللہ کے رسول نے حضرت علی کے دروازے کو چھوڑ کر مسجد میں کھلنے والے تمام دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا۔ بعض لوگوں

نے چہ می گوئیاں کی تو اللہ کے رسول نے فرمایا کہ میں نے درِ علی کو چھوڑ کر جو سارے در بند کرائے ہیں تو یہ کام میں نے اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے کیا ہے۔ (۳۵)

مشہور روایت ہے کہ ایک دن حضرت علی نے سیدہ فاطمہ سے فرمایا کہ حضور ﷺ کے پاس کچھ غلام آئے ہیں جاؤ تم بھی ایک خادم مانگ لو تاکہ گھر کے کاموں میں کچھ آسانی ہو جائے، حضرت فاطمہ حضور ﷺ کے پاس گئیں لیکن حیا مانع آئی اور سوال کئے بغیر واپس آ گئیں۔ تبارک اللہ! ایسے محبت کرنے والے والد سے ایسی شدید حاجت کے بارے میں حیا کرنا صرف سیدہ فاطمہ کی شان ہے۔

دوبارہ حضرت علی ساتھ گئے اور حاجت بیان کرنے میں ان کی ترجمانی کی، تو رسول اللہ ﷺ نے اہلِ صفہ کی حاجت کا حوالہ دے کر خادم دینے سے انکار کر دیا۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ اُن کے گھر آئے، اس وقت یہ نورانی جوڑا ایک ایسی چادر اوڑھے ہوئے تھا کہ اگر سر بند کرتا تو پیر کھل جاتے اور اگر پیر بند کرنے کی کوشش کرتا تو سر برہنہ ہو جاتا، اللہ کے رسول کو آتا دیکھ کر یہ اُٹھنے لگے تو اللہ کے رسول نے انہیں اُٹھنے سے منع کیا اور فرمایا کہ ''تم لوگوں نے جو مانگا تھا اس سے بہتر چیز عطا کرنے کے لئے آیا ہوں، یہ چند کلمات ہیں جو جبریل نے مجھے بتائے ہیں ہر نماز کے بعد دس بار سبحان اللہ، دس بار الحمد للہ اور دس بار اللہ اکبر پڑھا کرو اور جب سونے کے لئے بستر میں جاؤ تو سبحان اللہ تینتیس بار، الحمد للہ تینتیس بار اور اللہ اکبر چونتیس بار پڑھ لیا کرو''۔ (۳۶)

یہی تسبیح فاطمہ ہے، ایک نادر و نایاب آسمانی تحفہ جو سیدہ فاطمہ کے صدقے میں اُمّت کو ملا۔

کاشانۂ ولایت میں اگرچہ روحانی مسرتوں کا سمندر موجزن تھا لیکن مادی راحتیں ہمیشہ اُن سے دور رہیں۔ حضرت علی کو نہ اُن کی طلب تھی نہ اُن کے حصول کی فرصت۔ اللہ کی عبادت، رسول کی خدمت اور دین کی نشر و اشاعت سے انہیں فرصت ہی نہیں ملتی تھی کہ وہ مال و دولت یا آرام و راحت کے بارے میں سوچنے کو وقت نکالیں۔ صرف چار چیزیں ان

کی ملکیت تھیں: ایمان، علم، دل اور ذوالفقار، چنانچہ سیدہ فاطمہ کی زُہد وتقویٰ کی زندگی جاری وساری رہی۔ وہ ظاہر شکل وصورت اور چال وڈھال میں اللہ کے رسول کے سب سے زیادہ مشابہہ تھیں، اس کا تقاضہ تھا کہ کیفیت وحالت میں بھی یکسانیت رہے تاکہ مشابہت مکمل ہوجائے۔

ایک دن حضرت بلال صبح کی نماز میں تاخیر سے آئے، جب رسول اللہ ﷺ نے تاخیر کا سبب پوچھا تو عرض کیا کہ میں آتے وقت فاطمہ کے قریب سے گزرا تو وہ چکی پیس رہی تھیں اور ان کا بچہ رورہا تھا، میں نے ان سے کہا کہ کوئی ایک کام مجھے دیجئے، تو یارسول اللہ میں ان کا آٹا پیسنے لگا لہٰذا تاخیر ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تم نے فاطمہ پر رحم کیا اللہ تم پر رحم کرے۔(۳۷)

دنیا کی راحت سے قطع نظر سیدہ فاطمہ کو اپنے شوہر کی پوری توجہ اور محبت حاصل تھی۔ اس زمانے میں تعدّد ازواج عام بات تھی لیکن حضرت علی نے سیدہ کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی۔ ایک بار حضرت علی نے ارادہ کیا کہ دوسرا عقد کریں لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں سختی سے اس سے منع کیا۔

رسول اللہ ﷺ حضرت علی وفاطمہ کے ساتھ بے حد خوش رہتے تھے، دونوں کو نرمی اور آپسی محبت کی تعلیم دیتے تھے اور بتقضائے بشریت اگر کبھی آپس میں کچھ شکر رنجی ہوجاتی تھی تو آپ مصالحت فرماتے تھے۔ ایک بار آپ حضرت فاطمہ کے گھر میں رنجیدہ داخل ہوئے اور شاداں وفرحاں باہر واپس ہوئے، کسی نے پوچھا تو فرمایا:

ما یمنعنی، و قد أصلحت بین اثنین أحبّ إلی

میں کیوں نہ مسرور ہوں، میں نے اپنی دو محبوب ترین ذاتوں کے درمیان صلح کرائی ہے۔

ایک بار سیدہ کسی بات سے ناراض ہوکر حضور کے پاس شکایت کرنے آئیں، حضرت علی بھی پیچھے پیچھے تشریف لائے۔ سیدہ نے رسول اللہ ﷺ سے ان کی شکایت کی،

آپ ﷺ نے سیدہ کی دلجوئی فرمائی اور انہیں صبر کی تلقین کی، پھر حضرت علی نے سیدہ سے کہا:

واللہ لا آتی شیئاً تکرھینه

بخدا اب ایسا کچھ نہیں کروں گا جو تمہیں ناپسند ہو۔

ابن سعد نے ایسے کئی واقعات نقل کئے ہیں۔(۳۸)

اللہ کے رسول کی عادت کریمہ تھی کہ جب کہیں سے مدینے واپس تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں داخل ہوکر نماز ادا کرتے پھر سیدہ کے گھر تشریف لاتے اور ان سے ملنے کے بعد اپنے گھر جاتے تھے۔ یہ سیدہ سے آپ کی غیر معمولی محبت کی دلیل ہے۔

غزوات میں شرکت

سیدہ فاطمہ غزوۂ اُحد میں موجود تھیں جب رسول اللہ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے تو آپ نے ہی ان کی تیمارداری فرمائی۔ امام بخاری حضرت سہل بن سعد ساعدی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی اپنے ترکش میں پانی بھر بھر کر لا رہے تھے اور سیدہ فاطمہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ دھلا رہی تھی اور خون صاف کررہی تھیں لیکن خون بند ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا تو سیدہ نے ایک چٹائی کو جلا کر اس کی راکھ کو زخموں پر رکھ دیا جس سے خون بہنا بند ہوگیا۔

سیدہ فاطمہ نے فتحِ مکہ میں بھی شرکت فرمائی۔ اس موقع پر آپ آٹھ سال بعد مکہ آئی تھیں۔ یادوں کا ہجوم ان کے ہم رکاب تھا۔ نبی کریم ﷺ کا مکہ میں قیام بھی سیدہ خدیجہ کے مرقد کے قریب تھا جس نے ماضی کی یادوں کی رفتار کو تیز تر کردیا تھا۔

حتی کہ پہلی رات آپ نے ماضی کی یادوں کے ساتھ گزار دی، جب حضرت علی نماز کے لئے بیدار ہوئے تو آپ جاگ رہی تھیں۔ سیدہ نے حرم کی زیارت کی، والدہ کی قبر پر حاضر ہوئیں اور ایک روایت کے مطابق اپنے گھر بھی گئیں جو اس وقت عقیل بن ابی طالب کے تصرّف میں تھا۔ سیدہ دو ماہ تک مکہ مکرمہ میں رہیں۔(۴۰)

اولاد و امجاد

حضرت فاطمہ کی پانچ اولاد تھیں، تین بیٹے حسن، حسین اور محسن، حضرت محسن کا انتقال بچپن میں ہو گیا تھا۔

دو بیٹیاں تھیں: زینب اور اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہم

امام حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت نصف رمضان ۳ ھ کو ہوئی، امام حسین کی پیدائش ۵ شعبان ۴ ھ کو ہوئی۔ نبی کریم ﷺ نے ان دونوں کا نام رکھا اور عقیقہ کرایا۔ (۴۲)

حضرت علی امام حسن کا نام حمزہ اور امام حسین کا نام جعفر رکھنا چاہتے تھے اور روایت کے مطابق آپ ان کا نام حرب رکھنا چاہتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام شبر اور شبیر رکھا جن کا عربی ترجمہ حسن اور حسین ہے، شبر اور شبیر عبرانی لفظ ہیں اور یہ حضرت ہارون علیہ السلام کے دو بیٹوں کے نام تھے۔ (۴۳)

حضرت علی کے بچوں کو ہارون علیہ السلام کے بچوں کے ناموں سے موسوم کرنے میں حکمت یہ ہے کہ حضرت علی کو بارگاہِ محمدیہ میں وہی مقام حاصل تھا جو حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کی بارگاہ میں تھا۔ یہ مفہوم ایک بے حد معروف و مشہور حدیث میں وارد ہوا ہے جسے امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ نے سعد ابن ابی وقاص سے روایت کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت علی سے فرمایا:

أما ترضى أن تكون مني بمنزلة هارون من موسىٰ (۴۴)

ان دونوں کے فضائل بے شمار ہیں، دونوں شہزادگان اپنے والدین کریمین اور جد کریم رؤف رحیم ﷺ کے ساتھ اہلِ کساء میں شامل ہیں اور بموجب فرمان نبوی اہلِ بیت کا مصداق ہیں۔

سیدہ زینب کی پیدائش ہجرت کے پانچویں سال ہوئی۔ عقیلہ بنی ہاشم اور مجاہدۂ کربلا سیدہ زینب کی شادی عبد اللہ سے جعفر سے ہوئی اور دولابی کے مطابق ان کے دو صاحبزادے علی اور عون رضی اللہ عنہما۔ مشہور روایت میں ان کے ایک صاحبزادے کا نام

عون اور دوسرے کا نام محمد تھا۔ (۴۵)

سیدہ زینب کی پیدائش کے دو سال بعد حضرت اُمّ کلثوم کی پیدائش ہوئی، ان کی شادی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوئی، ان سے ایک صاحبزادے بھی ہوئے، لیکن بچپن میں ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ حضرت زینب اور اُمّ کلثوم کا نام بھی رسول اللہ ﷺ کا رکھا ہوا ہے اور ان کا نام آپ ﷺ اپنی بیٹیوں کے نام پر رکھا۔

قربتوں کی انتہا

صفر ۱۱ ھ کے اواخر میں رسول اللہ ﷺ کی طبیعت ناساز ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ کو بلوایا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب فاطمہ رضی اللہ عنہا پہنچیں تو اللہ کے رسول نے ان سے کچھ سرگوشی کی جسے وہ سن کر رونے لگیں، پھر کچھ اور سرگوشی فرمائی جسے سن کر سیدہ ہنسنے لگیں۔ عجیب بات تھی، حضرت عائشہ کو بھی دیکھ کر تعجب ہوا۔ آپ نے ان سے پوچھا تو سیدہ فاطمہ نے کہا کہ یہ رسول اللہ کا ایک راز ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عائشہ نے اپنے حقوق کا حوالہ دے کر پھر سوال کیا تو سیدہ فاطمہ نے کہا: میں اب آپ کو ضرور بتاؤں گی۔ جب پہلی بار سرگوشی کی تھی تو فرمایا تھا کہ میرے خیال میں میرا وقت قریب آ گیا ہے۔ بخاری کی ہی ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول نے فرمایا: کہ اس سال خلافِ معتاد مجھے جبریل علیہ السلام نے دو بار قرآن سنایا ہے، لگتا ہے کہ میرا وقت قریب ہے اور میں یہ سُن کر رونے لگی تھی، پھر دوسری بار کی سرگوشی میں فرمایا کہ میرے گھر والوں میں سب سے پہلے تم مجھ سے آ کر ملو گی۔ یہ سُن کر میں خوش ہو گئی اور ہنسنے لگی۔ (۴۶)

شاید محبت کا اس سے معرکۃ الاراء کوئی بیان نہیں ہو سکتا ہے اور شاید قربتوں کی اس سے زیادہ بلیغ اور کوئی تعبیر نہیں ہو سکتی ہے۔ صلی اللہ علی أبیہا وعلیہا وسلم

رسول اللہ ﷺ کا وصال

رسول اللہ ﷺ کی علالت جاری رہی سارے لوگ شفایابی کی اُمید رکھے ہوئے تھے، ابتداء میں بیماری بھی کچھ بڑی نہ تھی لیکن سیدہ فاطمہ بے حد بے چین و بے قرار تھیں کیونکہ جو وہ جانتی تھیں وہ کوئی نہیں جانتا تھا، وہ اپنے والد کی محرم راز تھیں، وہ اُمّ ابیہا تھیں۔

جتنے دن رسول اللہ ﷺ علیل رہے سیدہ فاطمہ ان کے بستر سے لگی رہیں اور انہوں نے خود کو حضور کی خدمت و تیمارداری کے لئے وقف کر دیا تھا، ایک دن حضور ﷺ کو شدید تکلیف تھی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: بابا جان آپ کی تکلیف سے آپ کی یہ بیٹی بھی تکلیف میں ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جانِ پدر! آج کے بعد تمہارے بابا کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ اور دوسرے دن رسول اللہ ﷺ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

اس حادثہ پر حضرت فاطمہ کے غموں کو بیان نہیں کیا جا سکتا ہے، اسی طرح جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ سے ان کی محبتوں کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ کسی شئی کا بیان اس کی معرفت کی فرع ہے اور جس چیز کی معرفت نہیں تو اس کا بیان بھی ممکن نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی تدفین کے بعد آپ قبر انور کے پاس تشریف لائیں، اس سے ایک مشت خاک لے کر آنکھوں سے لگایا اور اسے سونگھتے ہوئے دو شعر کہے جو رثائی ادب کا شاہکار ہیں:

مَـاذا عَـلَـى مَـن شَـمَّ تُربَةَ أحمد ... ألا يشـمّ مـدى الـزَّمـانِ غَـواليـا

صبـّتْ عَـلـيَّ مـصـائـبٌ لو أنهـا ... صبـّتْ عـلـى الأيـام صِـرنَ لَيَالِيَا

جس نے تربیت احمد ﷺ کی خاک سونگھی ہے اسے زندگی بھر کوئی خوشبو سونگھنے کو نہ لے تو کیا فرق نہیں پڑتا ہے۔ مجھ پر تو ایسی مصیبتیں ٹوٹی ہیں کہ اگر یہ مصیبتیں روز روشن پر پڑتیں تو وہ سیاہ راتوں میں تبدیل ہو جاتے۔

وہاں ٹھہر کر سیدہ خود بھی روئیں اور دوسروں کو بھی رلایا۔ لوگ تعزیت کرتے ہوئے گھر تک ساتھ آئے۔ رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص حضرت انس نے گھر پہنچ کر صبر کرنے

کی درخواست کی تو سیدہ نے پُرعتاب لہجے میں کہا:

تمہارے دلوں نے کیسے گوارا کیا کہ تم اللہ کے رسول کے جسد مبارک کو زمین کے حوالے کر دو۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کسی نے حضرت فاطمہ کو مسکراتے یا ہنستے ہوئے نہیں دیکھا، زندگی کے بقیہ ایام انہوں نے پوری طرح گوشہ نشینی میں گزار دیئے۔

قضیۂ فدک

یہ ایک بے حد مختلف فیہ موضوع ہے اور اسے لے کر کتب تاریخ و سیر میں اس قدر مختلف النوع، متضاد اور باہم متصادم روایتیں ہیں کہ حقیقت تک پہنچنا بے حد دشوار ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کی خلافت کے بعد رسول اللہ ﷺ کی میراث کا مطالبہ کیا جس میں باغ فدک اور خیبر کا خمس وغیرہ شامل تھا لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ خود رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''ہم وارث نہیں بناتے، ہم جو بھی چھوڑیں وہ صدقہ ہے اور اہلِ بیت اُس مال سے کھائیں گے''۔

اس موقع پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا تھا کہ

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے مجھے رسول اللہ کے رشتہ دار اپنے رشتہ داروں سے زیادہ عزیز ہیں۔

بعض غلط فہمی اور فقہی نقطۂ نظر کے اختلاف کے سبب حضرت فاطمہ ابتداء میں ناراض رہیں لیکن بعد میں ان کی ناراضگی دور ہوگئی۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت ابوبکر سیدہ فاطمہ کے مرض الموت میں ان سے ملنے آئے اور اجازت مانگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابوبکر ملاقات کے خواستگار ہیں۔ سیدہ نے پوچھا: کیا آپ کو پسند ہے؟ حضرت علی نے کہا: ہاں۔ یہ سُن کر سیدہ نے انہیں ملنے کی اجازت دے دی، حضرت ابوبکر تشریف لائے اور دیر تک غلط فہمیوں کے لئے

معذرت خواہ رہے، یہاں تک کہ سیدہ ان سے راضی ہوگئیں۔ دونوں کا اختلاف آخر کار دُور ہوگیا کیونکہ یہ اختلاف علمی اور فقہی نوعیت کا تھا نفسانیت کو اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔

سیدہ فاطمہ اس بات سے بلند تر تھیں کہ وہ کسی ایسی چیز کا مطالبہ کرتیں جو ان کا حق نہیں تھا۔ اور حضرت ابوبکر بھی اس بات سے بلند تر تھے کہ وہ کسی کی حق تلفی کرتے۔

وفات

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کی تاریخ میں بھی کئی اقوال ہیں، ان مختلف اقوال کے بموجب آپ کا وصال رسول اللہ ﷺ کے وصال کے چھ ماہ بعد یا آٹھ ماہ بعد یا سو دن بعد یا ستر دن بعد ہوا۔ (۴۷)

''استیعاب'' اور ''طبقات ابن سعد'' کی ایک روایت کے مطابق سیدہ زہرا رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد تقریباً اٹھارہ ماہ بقید حیات رہیں۔ (۴۸)

مشہور روایت کے مطابق آپ کا انتقال رمضان ۱۱ ہجری میں ہوا۔

ابن سعد نے دوشنبہ دو رمضان یوم وصال لکھا ہے۔ (۴۹)

اور محبّ طبری نے سہ شنبہ کی شب ۳ رمضان کو تاریخ وصال قرار دیا ہے۔ (۵۰)

وصال کے وقت مختلف روایات کے مطابق آپ کی عمر شریف اٹھائیس، انتیس، تیس یا پینتیس سال تھی۔ مؤخر الذکر روایت کلبی کی ہے اور ناقابل یقین ہے، اس حوالے سے شرح مواہب لدنیہ میں ایک بے حد دلچسپ واقعہ مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہما، ہشام بن عبدالملک کے پاس آئے وہاں مشہور راوی کلبی موجود تھے۔ ہشام نے حضرت عبداللہ سے وصال کے وقت حضرت فاطمہ کی عمر کے بارے میں استفسار کیا تو آپ نے فرمایا: تیس سال، اس پر کلبی نے کہا کہ پینتیس سال، ہشام نے حضرت عبداللہ سے کہا: دیکھو کلبی کیا کہہ رہے ہیں؟ تو اس پر حضرت عبداللہ نے جواب دیا کہ اے خلیفہ! مجھ سے میری ماں کے بارے میں پوچھئے اور کلبی سے ان کی ماں کے بارے میں سوال کیجئے (تو زیادہ بہتر ہے)۔ (۵۱)

اگر ان تمام روایات کو اور جناب سیدہ کی پیدائش سے متعلق جملہ روایات کو پیش نظر رکھا جائے تو راجح یہ ہے کہ وصال کے وقت آپ کی عمر شریف انتیس سال تھی۔

سیدہ فاطمہ کی عفت و حیا کا یہ عالم تھا کہ انہیں مرض الموت میں یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ ان کا جنازہ کیسے اٹھے گا، کیونکہ انہیں یہ پسند نہیں تھا کہ عام رواج کے مطابق ان کی لاش پر بھی ایک چادر ڈال دی جائے گی جس سے اعضائے بدن کی کامل پوشیدگی نہ ہو پائے گی، یہی بات انہوں نے حضرت اسماء بنت عمیس سے کہی تو انہوں نے کہا کہ اے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی، میں نے حبشہ میں دیکھا ہے کہ لوگ جنازہ اٹھانے کے لئے ایک تختے پر کمان کی صورت میں کئی لکڑیاں لگا دیتے ہیں اور اس پر کپڑا ڈال دیتے ہیں اور اس کے اندر جنازے کو لے کر قبرستان جاتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے سیدہ کو ایک نمونہ بنا کر بھی دیکھا جسے دیکھ کر سیدہ بے حد خوش ہوئیں اور فرمایا کہ اس میں تو یہ بھی نہیں پتہ چلتا کہ مرد کا ہے یا عورت کا، میرے لئے ایسا ہی انتظام کرنا اور صرف تم اور علی مل کر مجھے غسل دینا اور کوئی بدن نہ دیکھنے پائے۔ (۵۲) چنانچہ ان کی وصیت کے مطابق رات میں ان کی تدفین کی گئی۔

اسلام میں سب سے پہلے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے اس طرح (نعش) کا انتظام کیا گیا، مکان تدفین کے سلسلے میں صحیح روایت یہ ہے کہ جنت البقیع میں سیدنا عباس کے بغل میں آپ کا مدفن ہے۔ محبّ طبری اپنی کتاب ''ذخائر العقبیٰ'' میں لکھتے ہیں کہ عارف باللہ سیدی ابو العباس مرسی (متوفی ۶۸۶ھ) جب بھی بقیع کی زیارت کرتے تھے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے قبے کے سامنے کھڑے ہو کر سیدہ فاطمہ کو سلام پیش کرتے:

وقف أمام قبلة قبة العباس و سلّم على فاطمة رضى الله عنها

اور چونکہ شیخ ایک صاحبِ کشف و کرامت بزرگ تھے لہٰذا میں بھی حضرت فاطمہ کی قبر وہیں سمجھتا ہوں۔ (۵۳)

حواشی

۱۔ ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ، محبّ الدین طبری، باراول، دمشق ۱۴۱۵ھ، ص ۶۴
۲۔ کنز العمال، علی متقی برہان پوری، بیروت، دار الکتب، غیر مؤرخ، ۶/ ۲۱۹
۳۔ ذخائر العقبیٰ، ص ۶۴
۴۔ سیرۃ النبی، ابن ہشام، باراول، طنطا (مصر) ۱۹۹۵ء، ۱/ ۳۹، ذکر نسب النبی
۵۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، فضل نسب النبی، حدیث رقم: ۲۲۷۶
۶۔ مارجلیوتھ، عربی شاعری کے اصول، کولکاتا، جنرل آف رائل ایسیا ٹک سوسائٹی ۱۹۲۵ء
۷۔ ذخائر العقبیٰ، ص ۴۲
۸۔ الثغور الباسمہ فی مناقب السیدۃ فاطمۃ، جلال الدین سیوطی، الطبعۃ الأولیٰ ۲۰۱۱ء، دائرہ شئون اسلامیہ، دبئ، ص ۴۷
۹۔ الذریۃ الطاہرۃ النبویۃ، محمد بن احمد دولابی، باراول، کویت ۱۹۹۶ء، الدار السّلفیہ، ص ۱۱۱
۱۰۔ حیاۃ فاطمہ علیہا السلام، محمود شلبی، بیروت، دار الجبل، ص ۵۸
۱۱۔ سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب ماجاء فی فضل فاطمۃ بنت محمد ﷺ، حدیث رقم: ۳۸۷۲۔ وابوداؤد، کتاب الادب، باب ماجاء فی القیا، حدیث رقم: ۵۲۱۷۔ سنن النسائی، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث رقم: ۲۶۴
۱۲۔ متفق علیہ، نقلاً عن حیاۃ فاطمۃ، محمود شلبی، ص ۹۵
۱۳۔ حیاۃ فاطمہ، محمود شلبی، ص ۱۵۹
۱۴۔ صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب تزویج النبی خدیجۃ وفضلہا، حدیث رقم: ۳۶۰۵، وصحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضائل خدیجۃ، حدیث رقم: ۲۴۳۵
۱۵۔ صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب تزویج النبی خدیجۃ وفضلہا، حدیث رقم: ۳۶۰۸، وصحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضائل خدیجۃ ام المؤمنین، حدیث رقم: ۲۴۳۳
۱۶۔ تفصیل کے لئے دیکھئے، کتاب: إنہا فاطمۃ الزہراء، محمد عبدہ یمانی، باراول، قاہرہ ۱۹۸۷ء، دار ریان للتراث، و کتاب تراجم سیدات بیت النبوۃ، عائشہ عبد الرحمٰن بن الشاطی، باراول، دمشق ۱۹۹۶ء، المنار للنشر
۱۷۔ سیدۃ النبی، ابن ہشام، ۶/ ۳۱
۱۸۔ سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب ماجاء فی فضل فاطمۃ بنت محمد، حدیث رقم: ۳۸۷۶
۱۹۔ ذخائر العقبیٰ، ص ۶۵
۲۰۔ فاطمۃ الزہراء والفاطمیون، عباس محمود عقاد، قاہرہ، غیر مؤرخ، نہضہ مصر للطباعۃ والنشر والتوزیع، ص ۲۲
۲۱۔ الذریۃ الطاہرۃ النبویۃ، ص ۶۴
۲۲۔ ذخائر العقبیٰ، ص ۶۹
۲۳۔ حیاۃ فاطمۃ، محمود شلبی، ص ۱۳۱
۲۴۔ الثغور الباسمۃ، ص ۶۰
۲۵۔ الذریۃ الطاہرۃ، ص ۶۴
۲۶۔ نفس المصدر، ص ۶۳

۲۷۔ نفس المصدر، ص ۶۳
۲۸۔ ذخائر العقبیٰ، ص ۶۷
۲۹۔ نفس المصدر، ص ۷۰
۳۰۔ حیاۃ فاطمۃ، ص ۱۲۶
۳۱۔ نفس المصدر، ص ۱۳۴، نقلاً عن ابی ماجہ
۳۲۔ نفس المصدر، ص ۱۳۲، نقلاً عن امام احمد ونسائی
۳۳۔ ذخائر العقبیٰ، ص ۱۲۵
۳۴۔ مجمع الزوائد، ابن حجر ہیثمی، بیروت ۱۹۸۷ء، دار الکتاب العربی، ۹/ ۱۰۰
۳۵۔ خصائص امیر المؤمنین علی امام نسائی، باراول، بیروت، ص ۲۰۰، دار ابن حزم
۳۶۔ صحیح البخاری، کتاب الدعوات، حدیث رقم: ۵۹۵۹، واعلام النساء، عمر رضا کحالہ، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ ۶/ ۱۱۱
۳۷۔ حیاۃ فاطمہ، ص ۱۶۴
۳۸۔ تراجم سیدات بیت النبوۃ، ص ۶۰۴
۳۹۔ حیاۃ فاطمۃ، ص ۱۶۲، نقلاً عن صحیح البخاری
۴۰۔ تراجم سیدات بیت النبوۃ، ص ۶۲۸
۴۱۔ ذخائر العقبیٰ، ص ۲۰۵، اکثر مؤرخین نے یہی تاریخ لکھی ہے صرف دولابی نے لکھا ہے کہ ان کی پیدائش ہجرت کے تقریباً ساڑھے چار سال بعد ہوئی، دیکھئے: الذریۃ الطاہرۃ، ص ۴۸
۴۲۔ ذخائر العقبیٰ، ص ۲۰۵، یہی مشہور روایت لیکن دولابی نے لکھا ہے کہ امام حسین کی پیدائش امام حسن کی پیدائش کے ایک سال دس ماہ بعد ہوئی، دیکھئے الذریۃ الطاہرۃ، ص ۶۸
۴۳۔ الذریۃ الطاہرہ، ص ۶۷، ۶۸
۴۴۔ خصائص امیر المؤمنین علی، ص ۳۹
۴۵۔ الذریۃ الطاہرۃ، ص ۶۲
۴۶۔ الثغور الباسمہ، ص ۶۹، نقلاً عن صحیح البخاری
۴۷۔ ذخائر العقبیٰ، ص ۱۰۱
۴۸۔ دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، دانشگاہ پنجاب، ۱۵/ ۴۲
۴۹۔ تراجم سیدات بیت النبوۃ، ص ۶۳۴
۵۰۔ ذخائر العقبیٰ، ص ۱۰۱
۵۱۔ الفاطمۃ والفاطیون، ص ۱۸
۵۲۔ ذخائر العقبیٰ، ص ۱۰۲
۵۳۔ نفس المصدر، ص ۱۰۴، اس بیان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ محبّ الدین طبری کے عہد (۶۱۵۔ ۶۹۶ھ) میں حضرت عباس اور سیدہ فاطمہ کی قبر پر قبہ تعمیر تھا۔